پروفیسر توشی ہیکو ازتسو
ترجمہ : محمد خالد مسعود

قرآن کریم کے معنویاتی مطالعے کا طریق کار(۱)

پروفیسر توشی ہیکو ازتسو (Toshihiko Izutsu) عالمی شہرت کے حامل جاپانی سکالر، جاپان میں علوم اسلامی کے مطالعہ کے بانی ہیں۔ اب ان کے متعدد شاگرد جاپان میں علوم اسلامی کے فروغ میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی ساری تعلیم جاپان ہی میں ہوئی۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں جب علامہ موسیٰ جار اللہ نے روس سے ہجرت کی اور برصغیر آئے تو وہ جاپان بھی گئے۔ یہاں ازتسو صاحب نے ان سے عربی زبان اور علوم اسلامیہ میں شرف تلمذ حاصل کیا۔ پروفیسر صاحب کو زیادہ شہرت جاپان سے باہر حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں آپ نے کینیڈا کی میکگل یونیورسٹی میں ادارہ علوم اسلامیہ میں فلسفہ، منطق اور عربی زبان کی تدریس شروع کی اور ۱۹۷۹ء تک اس ادارے سے وابستہ رہے۔ مترجم کو اسی زمانے میں ان سے شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ (مترجم)

کسی اجنبی زبان کے الفاظ کا مطلب معلوم کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سب سے عام اور سب سے سادہ یہ ہے کہ اپنی زبان میں اس لفظ کا مترادف اور ہم معنی لفظ تلاش کیا جائے، لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ یہ طریقہ سب سے زیادہ غیر معتبر ہے۔ مثلاً جرمن لفظ "گاٹ" کا مترادف انگریزی زبان میں "ہزبنڈ" (شوہر) ہے۔

اسی طرح عربی الفاظ "کافر" کے معنی لغت میں "بے دین" اور "بد عقیدہ"۔ "ظالم" کے معنی "برائی کرنے والا"۔ "ناانصاف"۔ اور "ذنب" کے معنی "گناہ" بتائے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اردو میں دیے گئے معانی میں سے ہر مثال میں کسی نہ کسی طور پر عربی لفظ کے ساتھ معنوی مماثلت موجود ہے، لیکن دوسری طرف عربی زبان سے آگاہی رکھنے والے جانتے ہیں کہ قدرے غور کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اردو کے یہ بظاہر مترادف الفاظ اصل عربی الفاظ کے معنی کماحقہ ادا نہیں کر سکتے۔ مثلاً "ناانصاف" یا "برائی کرنے والا" پوری طرح "ظالم" کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اسی طرح "کافر" اور "بے دین" کے معانی میں جو فرق ہے، اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

محض مترادفات کی بنیاد پر استنباط اکثر غلط نتائج کی طرف لے جاتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ترجمہ اکثر اوقات مطلب سے آگاہی کی بجائے غلط فہمی کا موجب بنتا ہے۔ اس کی وجہ سمجھنا بہت آسان ہے۔

رچرڈ رابنسن (R.Robinson) نے وضاحت کی ہے کہ "لفظ لفظ" (یعنی لفظ کے مقابلے میں لفظ) تعریف کے طریقے میں دراصل "لفظ چیز" (یعنی لفظ کے مقابلے میں چیز) سے تعریف بیان کرنے کے طریقے کا احتمال رہتا ہے مثلاً گاٹ شوہر بظاہر لفظ کے مقابلے میں لفظ سے تعریف ہے لیکن یہ فرض کرتے ہوئے کہ سننے والا جانتا ہے کہ لفظ شوہر کا حوالہ کیا ہے۔ یہی تعریف "لفظ چیز" تعریف بن جاتی ہے۔(۲)

ظالم

بالکل اسی طرح "ظالم = ناانصاف"۔ اگر ان لوگوں کو بتایا جائے جو صرف "ناانصاف" کے معنی سے واقف ہیں تو اس صورت حال میں ان کے لیے دائیں جانب لکھے گئے لفظ کے معنی جاننے کے لیے صرف ایک ہی طریقہ ممکن ہے۔ بالفاظ دیگر وہ "ظالم"

کے معنی براہ راست نہیں معلوم کرسکتے بلکہ صرف "ناانصاف" کے مفاہیم پر قیاس کر کے ہی جان سکتے ہیں۔ کسی لفظ کے معانی کسی ایسے دوسرے لفظ کے ذریعے معلوم کرنےمیں جو کسی اجنبی ثقافت کی روایت میں پلا بڑھا ہو، یہ خطرہ لازماً موجود رہتا ہے کہ اس کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے ایسے اقدامات ضروری ہیں کہ ترجمہ چیز (غیر لسانی حقیقت) کی نشان دہی بالواسطہ نہ کرے بلکہ اس سے براہ راست رشتہ قائم کر کے "لفظ چیز" بلاواسطہ تعریف کا طریقہ بن جائے۔ (۳)

"ظالم" کا ترجمہ "برائی کرنے والا" یا "ناانصاف"۔ ظالم کے معنی معلوم کرنے کا یہ آسان اور عارضی طریقہ تو ہوسکتا ہے اور غالباً کوئی شخص بھی اس بات سے انکارنہیں کرسکتا کہ کوئی زبان سیکھنے میں پہلے عملی قدم کے طور پر یہ مفید بھی ہے۔ لیکن یہ صرف پہلا قدم ہے۔ اگر ہم لفظ کے معنی اور مفہوم کو پوری طرح سمجھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں مزید کھوج لگانا ہو گا کہ قدیم عربی، خاص طور پر قرآن کریم میں یہ لفظ عملی طور پر کس قسم کے انسان، کس قسم کی اخلاقی صفات اور کس قسم کے عمل کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ اس کھوج کے لیے صرف ایک مثال بھی کافی ہوسکتی ہے بشرطیکہ یہ مثال موضوع سے متعلق ہو اور بہت احتیاط سے انتخاب کی گئی ہو۔ مثلاً سورہ اعراف (45 - 44) میں ہے۔

لعنة الله على الظلمين ○ الذين يصدون عن سبيل الله و
يبغونها عوجا وهم بالاخرة كفرون

اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے اعراض کرتے ہیں اور
اس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کے بھی
منکر ہیں۔

کیا یہ آیت ظالم کی لفظی تعریف پر مشتمل نہیں۔ قرآن کریم میں اسی لفظ

کے استعمال کی اسی طرح کی مثالیں کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ ان کو یک جا جمع کر کے، ایک دوسرے سے موازنہ اور محاکمہ کرنے کے بعد کیا• کسی حد تک یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ہم اس عربی لفظ کی لفظ کے مقابلے میں چیز کے مفہوم کے طریقے سے اصل تعریف بیان کر سکیں گے؟ یہ یقیناً ممکن ہے اور ہم آئندہ بہت سی مثالوں سے اسے واضح کریں گے۔

کافر

آئیے اب لفظ "کافر" - "بے ایمان"، "بے دین"، "بدعقیدہ" "نہ ماننے والا" کا جائزہ لیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود اصل لفظ اور ترجمے کے الفاظ کی ظاہری ساخت میں ہی بنیادی فرق ہے (ترجمے کے الفاظ مرکب اورسلبی ہیں)۔ اس کے برعکس "مروہ" = مردانگی کی مثال میں، جس پر ہم تھوڑی دیر میں بات کریں گے، دائیں اور بائیں جانب کے الفاظ کی ظاہری ساخت میں کسی حد تک مطابقت ہے۔ عربی لفظ کافر اول تو ایک مستقل اور غیر مرکب مادہ ہے، اس کے مقابلے میں مترادف ترجمے کے تینوں الفاظ صریح طور پر دو اجزا پر مشتمل ہیں۔

(1) ایک جز سلبی یا منفی مفہوم دیتا ہے "بے"، "بد"، "نہ"۔

(2) دوسرا جز مفہوم کے مادی یا مثبت عنصر کی نشان دہی کرتا ہے۔

یہ مثبت مفہوم "ایمان و دین"، "عقیدہ"، "ماننے والا" ہیں۔ گویا ترجمے کے مترادفات میں کافر کے مفہوم میں بنیادی تصور ایمان اور دین کا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ عربی لفظ کافر کے معانی کے مضمرات میں سے ایک اہم عنصر ایمان بھی ہے، لیکن اس سلسلے میں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ اس عنصر کی موجودگی کا سبب یہ حقیقت ہے کہ عملاً جس سیاق میں کافر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں

"مومن" (جس کے معنی ہیں عقیدہ رکھنے والا یا جاننے والا) یا "مسلم" (جس نے دل و دماغ سے اپنے کو مکمل طور پر رضائے الٰہی کے سپرد کر دیا) کے الفاظ اس کے متضاد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اسی بات کو زیادہ عمومی انداز میں بیان کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہی معنوی سیاق میں استعمال ہونے والے باہمی قریب الفاظ کے مفاہیم کا ایک دوسرے کے معنی اور مفہوم پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ خاص طور پر جب یہ لفظ ایسا ہو کہ مخصوص سیاق میں جب بھی یہ لفظ آتا ہو تو مسلسل اور کثرت سے اپنے متضاد کے ساتھ ہی آتا ہو۔ اس کثرت ترکیب سے اس کے مفہوم میں متضاد کا سلبی پہلو بہت واضح طور پر شامل ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ "کافر"، "بے ایمان" یا اس کے مترادفات کے مابین معانی میں باہمی مماثلت بہت زیادہ ہے۔ تاہم ان کے درمیان متعدد اہم فرق بھی ہیں۔ ان میں سب سے اہم فرق یہ ہے کہ لفظ "کافر" کے تمام استعمال کا تفصیلی تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کافر کے مفہوم میں بنیادی عنصر "بے ایمانی" نہیں بلکہ "ناشکرا پن" اور "احسان فراموشی" ہے۔

جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے دین اسلام میں ایمان کے مفہوم کا بنیادی عنصر "احسان مندی" اور "شکر" ہے۔ دراصل شکر اور احسان خدا کے تصور میں اس کے رحمان اور رحیم اور انسان اور کائنات کے رب ہونے کی صفات کے متوازی اور متقابل مفاہیم ہیں۔ درحقیقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ کی جانب سے تمام مخلوقات پر اس کی بے غرضانہ رحمت کے عمل پر ہمیشہ بے حد زور دیتے تھے۔ اس کے بالمقابل انسان کا فرض ہے کہ وہ فضل و انعام کے اس سلوک پر اس کا شکر بجا لائے۔ کافر وہ انسان ہے جو اپنے اعمال سے نہ اس احسان مندی اور شکر کا اظہار کرے اور نہ کرنا چاہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ کافر جس لغوی مادے سے مشتق ہے اس کے

بنیادی معنی "چھپانا" ہے۔ چنانچہ مذہب کے نقطہ نظر سے قدرتی طور پر کفر کے معنی ہوں گے، "وصول شدہ انعامات کو چھپانا، ظاہر نہ کرنا"۔ کفر کے فعل کا صیغہ ان لوگوں کے مخصوص رویے کو ظاہر کرتا ہے جو اللہ تعالی کی رحمت کے انعام کو وصول کرنے کے بعد اسے چھپانے یا نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو اس رحیم و کریم خدا کا احسان نہیں مانتے بلکہ اس کی مخالفت اور نافرمانی بھی کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ "کافر" کے استعمال کی متعدد مثالوں پر پہلی نظر سے ہی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر جن کا سیاق اس موضوع سے تعلق رکھتا ہے، کفر کا بنیادی مفہوم یہی ہے جوف اوپر بیان ہوا ہے۔ مختصراً یہ کہ "کافر" کی توضیح و تفسیر "ایمان اور عقیدہ" کے حوالے کی بجائے "شکر و احسان" کے حوالے سے کی جانی چاہیے۔

جب ہم زندگی کے ان پہلوؤں کی بات کرتے ہیں جہاں صرف ایک مخصوص زاویۂ نظر غالب ہوتا ہے اور جہاں زبان کا اولین کام یہ ٹھہرتا ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی کے قومی اور نسلی عنصر کی صحت اور صراحت سے انعکاسی کرے وہاں الفاظ اور ان کے اجنبی زبان کے مترادفات میں معنوی تفاوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم یہ قاعدہ بنا سکتے ہیں کہ کوئی لفظ کسی ثقافت کے گہرے نسلی عنصر کا جس قدر عکاس ہوتا ہے اتنا ہی اس کو صحیح طریقے سے کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر زبان میں ایسے الفاظ کی خاص تعداد ہوتی ہے جن کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً انگریزی کے لفظ "ہیومر" (Humour) فرانسیسی کے "ایسپری" (Esprit) اور جرمن "گیمٹ" (Gemut) کا صحیح اور مکمل ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

<u>حماسہ، مروہ، جہل۔</u>

اسی طرح قدیم عربی زبان میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو اسلامی اخلاقی ثقافت کی

بجائے قبل اسلام جزیرہ نمائے عرب کی بدوی طرز زندگی سے مخصوص ہیں، مثلاً حماسہ، مروہ، جہل۔ آر۔ اے نکلسن (۴) نے حماسہ، کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس لفظ میں، میدان جنگ میں شجاعت، مصیبت میں صبر، حصول انتقام میں ثابت قدمی، کمزور کی حفاظت اور طاقت ور کے خلاف بغاوت، کے سارے مفاہیم کا امتزاج پایا جاتا ہے۔" آپ غور کریں تو یہ حماسہ کے سارے معانی کا احاطہ نہیں بلکہ ایک بہت ہی سرسری اور ابتدائی سا تخمینہ ہے۔ لیکن یہ ابتدائی معانی بھی "بہادری"، "جرات" یا "حوصلے" کے الفاظ سے ادا نہیں ہوتے جو عام طور پر حماسہ کے ترجمے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اگر ہم منظم اور مرتب طریق گفتگو کو اپناتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھیں، اور ان اعلی اخلاقی قدروں کے ذخیرے میں دو اور بہت ہی اہم عناصر شامل کر دیں یعنی ایک تو مبالغہ آمیز سخاوت، جو صحرائی عربوں کی خصوصیت ہے اور جس کی عکاسی حاتم طائی کی داستانوں میں ملتی ہے اور دوسرے قبائلی مفادات کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری، جو اتنی ہی اہم خوبی شمار ہوتی ہے تو ان تینوں کے امتزاج سے اخلاقی قدر "مروہ" سامنے آتی ہے۔ لفظ مروت بدووں کے اعلی ترین تصور اور سب سے بڑی خوبی کو بیان کرتا ہے، بلکہ یوں کہیے کہ اس میں صحرائی ثقافت کی ساری مثالی اقدار جمع ہو گئی ہیں۔ لفظ مروہ اپنی ظاہری ساخت میں بہت اچھی طرح لفظ "مردانگی" کے مطابق نظر آتا ہے، دونوں کے بنیادی لغوی مادے "مرا" اور "مرد" باہم مشابہ ہیں۔ اور "عورت" کے مقابلے میں "مرد" کی برتری کے حوالے سے ان کے مفاہیم کے باہمی تضاد پر زور دیتے ہیں۔

دونوں میں اشتقاق کی شکل بھی مماثل ہے جو کسی لفظ کے مادے کے آخر میں شامل ہو کر خوبی اور خاصیت کا مجرد مفہوم پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اشتقاق کے اعتبار سے مروہ کا مطلب ہوگا "مرد ہونے کی خاصیت"۔ لہذا ہم پورے اطمینان سے "مردانگی" کا لفظ یوں بولتے ہیں جیسے یہ مروہ کا صحیح اور مکمل مترادف ہو۔ یہ بات ایسے سیاق میں صحیح

بھی ہو گی جہاں صحت معنوی میں زیادہ دقت نظر ضروری نہ ہو۔ تاہم یہ حقیقت قابل فراموش نہیں کہ ان دونوں الفاظ میں مماثلت محض ان کی ظاہری ساخت تک محدود ہے۔ یہی وہ حد فاصل ہے جہاں خالص ظاہری مفہوم ختم ہو کر حقیقی معانی کے مسائل شروع ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لازمی بات ہے کہ جب "مرد" کے خصائل کا ایک خاص تصور "مردانگی" کی معنوی تعریف کا کلیدی نکتہ ہو گا تو اسی اعتبار سے "مردانگی" کے مفہوم میں بھی اختلاف ہو گا۔ مرد کے خصائل کے اختصاص اور انتخاب کی عملی طور پر کوئی حد متعین نہیں کی جاسکتی۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ تمام زبانیں "مرد ہونے کی خصوصیت" کو معاشرتی زندگی کے لیے اتنا اہم سمجھنے پر اتفاق کرتی ہیں کہ اسے ایک مستقل لغوی شکل دینا ضروری قرار دیتی ہیں تب بھی ہر زبان اپنے مخصوص طریقے سے "مرد" کے متعدد خصائل میں سے چند کا انتخاب کرے گی اور اپنے طریقے سے ان منتخب عناصر کو ترتیب دے کر ایک مخصوص معنوی شکل پیدا کرے گی۔ یہی صورت حال عربی لفظ "مروہ" کی ہے۔ معنی کے لحاظ سے "مروہ" کے مفہوم کے پس منظر میں صحرائے عرب کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی بدوی زندگی کی طویل تاریخ ہے۔ صحرائی زندگی سے اس کی وابستگی اتنی گہری ہے کہ اس زندگی کی تفصیلات بتائے بغیر اس کا مفہوم سمجھایا نہیں جاسکتا۔

مذکورہ بالا تین الفاظ میں سے جہل کی کہانی ایک مختلف پہلو کو پیش کرتی ہے۔ چونکہ اس لفظ کا موضوع بحث سے براہ راست تعلق ہے اس لیے ہم اس کی معنوی شکل کی بنیادی ساخت کو ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔ ہم حتی الامکان وہ باتیں نہیں دہرائیں گے جو کئی سال پہلے اگناتس گولڈزیہر (Goldziher) نے بیان کی تھیں۔ (د)

گولڈزیہر کی تحقیقات کی اشاعت سے پہلے جن میں اس نے حتمی طریقے سے بتایا ہے کہ اس لفظ کو صحیح طور پر سمجھنے کا کیا طریقہ ہے یہ خیال تھا کہ جہل "علم" کی

عین ضد ہے۔ خود عرب ماہرین لغات بھی اس بات کے قائل تھے چنانچہ "جہل" کے بنیادی معنی "لاعلمی"، "جہالت" اور "ناخواندگی" بیان کیے جاتے تھے۔

مسلمان ظہور اسلام سے قبل عرب کی حالت بیان کرنے کے لیے "جاہلیہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو جہل کا ایک اہم مشتق ہے۔ مذکورہ بالا پس منظر میں فطری طور پر اس کا مطلب جہالت سمجھا گیا اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی زمانہ جاہلیت یعنی جہالت کیا گیا۔ گولڈزیہر نے اس لفظ کے اصلی معانی کی وضاحت کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ بنیادی طور پر ہمارے اس طریقے سے بہت مماثل ہے جسے ہم نے اس مقالے میں معنوی تجزیے کے طریق کار کا نام دیا ہے۔ گولڈزیہر نے قبل از اسلام عرب شاعری سے ایسے اہم اشعار و نظائر کی بہت بڑی تعداد جمع کی جن میں جہل کا مادہ فی الواقعہ استعمال ہوا تھا۔ اس نے ان کا بہت احتیاط سے تجزیہ کیا اور اس اہم نتیجے پر پہنچا کہ "جاہلیہ" کے بارے میں روایتی رائے بنیادی طور پر غلط تھی۔ اس کی تحقیق کے نتائج کی رو سے اپنے اصلی مفہوم میں "جہل"، "علم" کی ضد نہیں بلکہ "حلم" کی ضد ہے جس کے معنی ہیں "ایک مہذب شخص کی اخلاقی سمجھ بوجھ" (نکلسن)۔ اس مفہوم میں ابتدائی طور پر یہ خصائص شامل ہیں۔ برداشت، صبر، بردباری اور اندھی جذباتیت کی عدم موجودگی۔ بعد کے ادوار میں ------ اور بعض اوقات قبل از اسلام شاعری میں بھی ----- ہم دیکھتے ہیں کہ جہل علم کی عین ضد کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے لیکن یہ ثانوی اور اشتقاقی مفہوم ہے۔ اس کے اصلی مفہوم کا مقصود عرب مشرکین کے سنگ دل اور غیر محتاط مزاج کو بیان کرنا تھا۔

آئیے اب ہم اصل مسئلے کی طرف آتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جاہلیت کا اصل مفہوم کیا تھا؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اس لفظ کا مطلب کیا سمجھتے تھے؟ ابن اسحاق (۲) نے ایک بوڑھے مشرک شاس بن قیس

کا ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ آں حضرت کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے تھوڑے عرصے بعد پیش آیا۔ یہ دشمن خدا ایک بوڑھا تھا جو نئے دین کی مخالفت اور ضد میں اور اصحاب محمد سے عناد اور دشمنی کے اظہار میں سب سے پیش پیش تھا۔ ایک دن وہ مدینے کے دو اہم انصاری قبیلوں اوس اور خزرج کے ایک گروہ کے پاس سے گزر رہا تھا جو کبھی ایک دوسرے کے شدید دشمن تھے، لیکن اب آں حضرت کی قیادت میں اخوت کے رشتے سے منسلک مشترکہ مفاد کے لیے جہاد میں مصروف تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ دوستانہ انداز میں ایک دوسرے سے ہنس بول رہے ہیں تو اس کے حسد اور غصے کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس نے ایک یہودی نوجوان لڑکے کو بڑی رازداری سے اس بات پر اکسایا کہ وہ اس گروہ کے پاس جا کر بیٹھ جائے اور انھیں پرانی لڑائیوں اور قتل و غارت کے قصے یاد دلائے جو قبل از اسلام پیش آئے تھے۔ دونوں طرف کے شعرا کی نظمیں پڑھ کر سنائے تاکہ پرانی دشمنی جاگ اٹھے۔

اس کی خواہش پوری ہوئی۔ ان لوگوں میں شدید جھگڑا ہو گیا۔ کسی نے کہا "کیا تم یہی کچھ پھر سے چاہتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو ہم بھی تیار ہیں۔" ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ایسا لگا جیسے سب کے سب آتش فشاں راستے پر ہتھیار ہتھیار چیختے بھاگ نکلے ہوں۔

یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ بہت تیزی سے اس جگہ آئے اور آواز دی "مومنو! تمھیں خدا کو بھول جانے کی جرات کیسے ہوئی؟ کیا تم نے پھر جاہلیت کی آواز (دعوی) کو لبیک کہا ہے، حالانکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔ خدا نے تمھیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی، تمھیں عزت دی اور تمھیں جاہلیت کے تسلط سے آزاد کیا، تمھیں کفر سے نجات دلائی، اور تمھیں ایک دوسرے کا دوست بنا دیا۔" یہ سن کر ہر ایک کو احساس ہوا کہ یہ سب شیطان کے اکسانے پر ہوا اور وہ ایک دوسرے سے بغل گیر

ہو کر رونے لگے۔

اس روایت سے لفظ جاہلیت کے بارے میں دو اہم نکات کا پتہ چلتا ہے، اول یہ کہ آں حضرت اور آپ کے صحابہ کے نزدیک جاہلیت ظہور اسلام سے پہلے کے زمانے کا نام نہیں تھا جو گزر چکا تھا بلکہ ایسی اثر آفرین قوت، اور جذباتی کیفیت کا نام تھا جسے اسلام کی نئی طاقت نے روشن پیش منظر سے ہٹا دیا تھا لیکن جو ابھی خفیہ طور پر خود مومنین کے ذہنوں میں محسوس حد تک باقی تھی اور کسی بھی وقت ان کے شعور پر حملہ آور ہوسکتی تھی۔ آں حضرت اسے دین اسلام کے لیے ایک مستقل خطرہ سمجھتے تھے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ درحقیقت جاہلیت کا جہالت سے کوئی تعلق نہیں، اصل میں اس کا مطلب قبائلی فخر و مباہات کا گہرا احساس، غرور اور رقابت کا نہ دبنے والا جذبہ اور وہ تمام درشت اور اجڈ رسم و رواج تھے جو انتہائی جذباتی مزاج کی پیداوار ہوتے ہیں۔

عین یہی وہ نکتہ ہے جہاں تحریک اسلامی کے اصلاح اخلاقیات کے عظیم منصوبے کی حقیقی اہمیت کو تلاش کرنا چاہیے۔ آں حضرت کے کارنامے کے اخلاقی پہلو کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ روح جاہلیت کے خلاف انتہائی جرات مندانہ جہاد تھا تاکہ اس کا مکمل قلع قمع کیا جائے اور اس کی جگہ ہمیشہ کے لیے روح حلم کو مستحکم کر دیا جائے۔ ابن اسحاق (۷) نے ایک اور دلچسپ روایت بھی بیان کی ہے جس سے جاہلیت کے اس پہلو پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

۸ ھ میں فتح مکہ کے فوراً بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مضافات میں فوجی دستے بھیجے۔ یہ خالصتاً تبلیغی کارروائی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ لوگوں کو محض دوستانہ انداز سے اسلام کی دعوت دی جائے۔ مبلغین کی اس جماعت میں بہادر خالد بن ولید بھی تھے جو اللہ کی تلوار کے لقب سے معروف تھے، وہ بنو جذیمہ کے قبیلے کے پاس گئے۔ انھوں نے جب خالد بن ولید کو دیکھا تو لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ خالد بن ولید نے ان کو

یقین دلایا کہ وہ امن کے ارادے سے آئے ہیں، اور انھیں ہتھیار ڈالنے کو کہا کیونکہ انھوں نے کہا کہ دوسرے تمام لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں، جنگ ختم ہو چکی ہے اور ہر شخص محفوظ ہے۔

قبیلے کے ایک شخص نے مخلصانہ طور پہ خبردار بھی کیا لیکن انھوں نے اس کے باوجود ہتھیار ڈال دیے تو خالد نے ان کے ہاتھ پشت پہ باندھ کر سر قلم کرنا شروع کر دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں یہ خبر ملی تو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے، اتنے اونچے کہ آپ کی بغلیں نظر آنے لگیں، اور آپ نے تین مرتبہ بلند آواز سے کہا۔ "اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا، میں تیرے سامنے اس سے برات کا اظہار کرتا ہوں۔" پھر آپ نے اپنے داماد حضرت علی کو حکم دیا کہ : "فوراً ان لوگوں کے پاس جاؤ، معاملے کی پوری چھان بین کرو اور جاہلیت کی اس رسم کو جڑ سے اکھاڑ دو"۔ حضرت علی بہت ساری رقم لے کر اس علاقے میں گئے اور ان تمام لوگوں کے جان و مال کے نقصانات کا معاوضہ ادا کیا۔ یہ بات خاص طور پہ قابل غور ہے کہ اس بیان میں کچھ آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص خالد کے اس رویے پہ تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے "تم نے اسلام کے زمانے میں جاہلیت کا کام کیا۔"

ان دونوں واقعات میں اس بات کا اہم اشارہ ملتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں جاہلیت کے لفظ کا کیا مفہوم تھا۔ ان واقعات کے ذریعے ہمیں ان اخلاقی مقاصد کی اصل بصیرت سے آگاہی کا بھی موقع ملتا ہے جو تحریک اسلامی میں کارفرما تھی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ آں حضرت جاہلی رسوم کے خلاف تھے اور ان کے بجائے حلم کی روح پر مبنی طرز عمل کے رواج کے ذریعے لوگوں کی مکمل اخلاقی اصلاح چاہتے تھے۔

عربی زبان کی ضخیم لغات تاج العروس (۹) میں لفظ حلم کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے : "اپنے نفس کو قابو رکھنے کا عمل اور اپنی طبیعت کو غیظ و غضب کے شدید

جذبے سے روکنا۔" البستانی (۹) نے اس کی یہ تعریف کی ہے۔ "نفس کے پرسکون رہنے کی حالت حتی کہ غصہ اسے آسانی سے حرکت میں نہ لا سکے، اور کسی بھی آفت کے وقت پریشان نہ ہونے کی صفت"۔ "غصے کے حملے کے باوجود پرسکون رہنے کی حالت" اور "ظالم سے انتقام لینے میں سستی"۔ یاد رہے "حلم" نبی علیہ السلام کی کوئی نئی دریافت نہیں تھی۔ اس کے برعکس یہ ایک ایسی صفت تھی جسے مشرکین عرب بھی بہت اعلی اقدار میں شمار کرتے تھے، صرف اس کی بنیاد مضبوط نہیں تھی۔ صحرا کے اصل عرب باشندے اپنی جذبائیت کے لیے مشہور تھے۔ وہ ذرا سی بات پر مشتعل ہو کر کسی بھی انتہا کو پہنچ سکتے تھے۔ نفس کا سکون جسے یونانی "اتارکسیا" کہتے تھے، حاصل کرنا عربوں کے لیے سب سے مشکل کام تھا۔ اگر حاصل ہو بھی جاتا تو وہ اسے زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ حلم کو صحیح معنوں میں اخلاقی زندگی کا محور بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ یہ بنیاد پوری کائنات کے واحد خالق اللہ تعالی پر پرخلوص ایمان کے ذریعے فراہم کی گئی۔ عقیدہ توحید کی مضبوط بنیاد پر استوار یہ حلم و بردباری مذہبی لحاظ سے تہذیب یافتہ انسان کی اخلاقی سمجھ بوجھ --- وہ صفت تھی جو جاہلیت کی ضد تھی۔ آئیے اب قرآن کی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان سے اس تعبیر کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں جہل کے مختلف مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ جاہلیہ کا صیغہ چار بار استعمال ہوا ہے (26:48,33:30,55:5,148:3)۔ ان میں سے آخری خصوصا بے حد اہم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اذجعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاھلیة
فانزل اللہ **سکینته** علی رسولہ و علی المومنین والزمھم
کلمة التقوی و کانوا احق بھا و اھلھا (26-48)

جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیہ یعنی جاہلیت کی عار کو
جگہ دی تو اللہ تعالی نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی طرف سے
سکون نازل کیا اور اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ضبط نفس کی بات پر
جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اس کے اہل ہیں۔

ہم نے حمیۃ الجاہلیہ کا ترجمہ جاہلیت کی عار کیا ہے۔ یہ قبائلی انسان کی خود پسند اور مغرور روح کی طرف اشارہ ہے، اس انتہائی خود سری اور فخر و مباہات کا حوالہ ہے جو قدیم عرب مشرکین کا خاصہ تھا۔ اس میں ان تمام باتوں کے خلاف ہٹ دھرم مزاحمت کا ذکر ہے جن میں اس کے احساس عزت و وقار کے مجروح ہونے اور ان کی روایتی طرز زندگی کے خاتمے کے رجحان کا ذرا سا شائبہ بھی پایا جائے۔ اس آیت میں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جذباتی مزاحمت کی اس روح کو مومنین پر نازل ہونے والے روحانی سکون، نازک حالات میں اپنے پر قابو رکھنے کی روحانی طبیعت، اپنے جذبات پر فتح پانے، پرسکون رہنے اور دین کے لیے صبر و استقامت کی عین ضد بتایا گیا ہے۔ نبی علیہ السلام کی نظر میں جاہلیت ایک اندھا اور وحشی جذبہ تھا جو ایسے لوگوں کا خاصہ تھا جو نیکی اور بدی میں تمیز کرنا نہیں جانتے تھے، جو برے کام کرنے پر کبھی معذرت اور توبہ کے طلب گار نہیں ہوتے تھے، جو نیکی کے لیے بہرے اور سچائی کے لیے گونگے اور ہدایت آسمانی کے لیے اندھے تھے۔ (۱۰)۔ آپ کے خیال میں یہی تاریک اور اندھا جذبہ تھا جس نے لامتناہی خونی جھگڑوں کو جنم دیا تھا اور جو قبل از اسلام عرب تاریخ کے بے شمار مصائب و آفات کا سبب بنا تھا۔ مشرکانہ عہد کے تمام وحشیانہ رواجات کا اصل سرچشمہ یہی جذبہ تھا۔

لفظ "جاہلیت" کے استعمال کی باقی تین مثالیں معانی کے نقطہ نظر سے اتنی اہم نہیں۔ یہ آیات یا تو ان لوگوں کے اخلاقی رجحانات اور ظاہری رویوں کو بیان کرتی ہیں جو عقیدہ توحید کو نہیں مانتے تھے یا ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو ظاہری طور پر

تو اسلام لے آئے تھے لیکن درحقیقت اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور پہلی آزمائش میں ہی ڈانواں ڈول ہونے لگے تھے۔

اب ہم اسی مادے کے دو اور مشتقات کے استعمال کی چند واضح مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ایک مثال "جہل" کے اسم فاعل "جاہل" کی ہے، جو اکثر جمع سالم کے طور پر استعمال ہوا ہے اور دوسری مثال جہل کے فعل کی ہے، جس کے مختلف صیغے استعمال ہوتے ہیں۔

۱۔ سورہ یوسف آیت ۳۳ میں ذکر ہے کہ حضرت یوسف جو مصر میں عورتوں کی ترغیبات کے شدید حملے کے مقابلے میں خود کو بے بس پا کر خدا سے دعا کرتے ہیں:-

قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیه والا تصرف
عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین (12-33)

یوسف نے دعا کی کہ اے میرے رب جس کام کی طرف
یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں، اس سے تو جیل خانے میں جانا مجھ کو
زیادہ پسند ہے اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں
گے تو میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔'

یہ آیت ہمارے لیے خصوصاً قابل توجہ ہے کہ یہاں جاہل کا لفظ مذہبی سیاق میں استعمال نہیں ہوا ہے اور جہل کے گویا غیر مذہبی استعمال کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سیاق میں لفظ جاہل سے مراد ان لوگوں کا غیر محتاط رویہ ہے جو جسمانی خواہشات کے شدید جذبے کا بآسانی شکار ہو جاتے ہیں، اور جانتے بوجھتے اندھے اور بہرے ہو کر نیکی اور بدی کی تمیز کھو بیٹھتے ہیں، جو کہ بہت واضح طور پر حلم کے مزاج کی عین ضد ہے۔

۲۔ سورہ النمل کی آیت 54-55 میں حضرت لوط فرماتے ہیں:-

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة وانتم تبصرون O

انکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النسا بل انتم قوم تجہلون۔

اور جب لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر۔ تم تو ایسے لوگ ہو جن کے رویے سے جہل ہی جہل ظاہر ہوتا ہے۔

اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ قوم لوط یعنی اہل سدوم کے بارے میں یہ بیان ہوا کہ ان کا رویہ خالصتاً جاہلانہ تھا۔ وہ عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت رانی کرتے تھے جو "فاحشہ" (ایک مکروہ گناہ) ہے۔ فاحش کا معنوی تجزیہ آگے چل کر کیا جائے گا، فی الحال یہ یاد رہے کہ اس آیت میں بھی جاہل کے استعمال سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں، ان سے ایسا شخص مراد ہے جو اپنے جذبات کے رحم و کرم پر کسی بھی انتہا کو چھو سکتا ہے اور یہ بات وہ لاعلمی میں نہیں کرتا۔ "حالانکہ تم دیکھ رہے ہو" ---- یعنی پوری طرح جانتے بوجھتے ہو کہ یہ فعل ایک مذموم گناہ ہے۔ موضوع بحث کے سیاق میں یہ آیت خاص طور پر اہم ہے کہ اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ جاہل، ناواقف اور لاعلم نہیں ہوتا، اگرچہ یہاں جان بوجھ کر حلم کے اخلاقی اصول سے لاعلمی کا مفہوم ضرور نکلتا ہے۔

۳۔ سورہ الانعام آیت نمبر 33-35

قدنعلم انه ليحزنک الذی يقولون فانهم لا يكذبونک ولكن الظالمين بايت الله يجحدون o ولقد كذبت رسل من قبلک فصبروا على ما كذبوا واوذوا حتى اتهم نصرنا ولا مبدل لكلمت الله: ولقد جاءک من نبائی المرسلين o وان كان كبر عليک اعراضهم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض

او سلما فی السماء فتاتیهم بایة ولو شاء الله لجمعهم علی الهدی فلاتکونن من الجھلین ο

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں تاہم یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے۔ لیکن انھوں نے اس پر صبر کیا اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ پر جمع کر دیتا سو آپ جاہلوں میں سے نہ ہوں۔

تفسیر بیضاوی میں آخری جملے کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ جو بات فطری طور پر ناممکن ہے، اس کے حصول کی خواہش کر کے اور ان حالات میں جہاں صبر مناسب ہے، بے صبری کا اظہار کر کے جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ کیونکہ یہ ان لوگوں کی خصوصیت ہے جو جاہل ہیں۔

یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی دلجوئی بھی کر رہا ہے جو اپنی قوم کے سرکش اعراض کی وجہ سے سخت دل شکستہ اور مایوس ہیں اور مستقبل کے بارے میں ناامید ہونے لگے ہیں اور اس کے ساتھ ایسے فہمائش بھی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ آپ سے پہلے بہت سے ایسے پیغمبر

گزرے ہیں جنھیں اسی طرح کے ناساز گار حالات کا سامنا تھا لیکن انھوں نے انتہائی صبر سے ان کا مقابلہ کیا اور مشیت ایزدی پر مکمل بھروسہ کیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان انبیا کی مثال پر عمل کرنے کو کہہ رہا ہے اور غیر ضروری طور پر بے صبری سے احتراز کا حکم دے رہا ہے۔ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں بھی جاہل سے مراد وہ شخص ہے جس کا ذہن غیظ و غضب، رنج و الم، یاس و ناامیدی جیسے جذبات کے زیر اثر بہت آسانی سے اشتعال میں آجاتا ہے۔

۴۔ سورہ الانعام کی آیت 111 میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ولو اننا نزلنا الیھم الملئکۃ و کلمھم الموتی وحشرنا علیھم کل شئی قبلا ما کانوا لیومنوا الا ان یشاء اللہ ولکن اکثرھم یجھلون o

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے ہاں اگر خدا چاہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہل کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس آیت کے بارے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ اس میں اور اگلی آیت میں جاہل جن خاص معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کا تعلق ایمان یا عدم ایمان سے ہے۔ یہ لفظ واضح طور پر ان لوگوں کو بیان کرتا ہے جو اتنے سرکش اور خود پسند ہیں کہ وہ نئے دین کی مخالفت کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ اس دین کی روحانی اقدار کئی لحاظ سے قدیم عرب مشرکین کے موقف سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرب مشرکین کے نقطہ نظر سے یہ لوگ اس ثقافت کے صحیح نمائندے ہیں کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اپنے ملک کی قبائلی اور روایتی اقدار سے غیر متزلزل وفاداری

استوار رکھیں گے۔ یہ لوگ نبی علیہ السلام کی دعوت کا جواب صرف حقارت اور تمسخر سے دیں گے۔

اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے معاملے میں مومنین کے لیے مثالی رویہ یہی ہے کہ ان سے منہ پھیر کر بے تعلقی کی حکمت عملی اپنائیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کافروں کے بارے میں آں حضرت کا یہ رویہ ہمیشہ کے لیے تو نہیں ہوسکتا، لیکن یہ آیت اس لحاظ سے اہم ہے کہ زیر بحث مسئلے میں جہل اور حلم کے درمیان بنیادی تضاد کو بہت صراحت سے ظاہر کرتی ہے۔

۵۔ سورہ القصص آیت 55 میں ارشاد ہے:

واذاسمعوا اللغو اعرضوا عنہ وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلم علیکم لانبتغی الجھلین o

اور جب وہ کوئی لغو بات سنتے ہیں تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ تم پر سلامتی ہو، ہم جاہل لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

۶۔ سورہ الزمر آیت 64-65 میں ارشاد ہوتا ہے:

قل افغیر اللہ تامرونی اعبدایھا الجھلون o ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین o بل اللہ فاعبد وکن من الشکرین o

کہہ دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کی فرمائش کرتے ہو اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف وحی آچکی ہے کہ اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کا عمل غارت ہو جائے گا

اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے چنانچہ آپ صرف اللہ
کی عبادت کریں اور شکر گزاروں میں شامل رہیں۔

اس آیت میں جاہل کا لفظ ان لوگوں کے بارے میں استعمال ہوا ہے جو اپنی مشرکانہ طرز زندگی میں بت پرستی کے رواج کے عادی ہیں، وہ اللہ کے ساتھ دوسرے خداؤں کو نہ صرف شریک ہی نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کو کہتے ہیں۔ جملہ معترضہ کے طور پر ہم کہیں گے کہ یہاں جاہل ایسے شاکر کی ضد ہے جو شکر و احسان کے جذبے سے بھرپور ہے۔ کافر کی معنوی اصطلاح سے بحث کرتے ہوئے ہم پہلے ہی یہ ذکر کر چکے ہیں کہ دین اسلام میں ایمان کا بنیادی تصور اللہ کی نعمتوں پر شکر اور احسان مندی سے عبارت ہے۔ بالکل انہی معنوں میں جاہل کا لفظ مندرجہ ذیل آیت میں استعمال ہوا ہے جہاں حضرت موسیٰ کے زمانے میں بنی اسرائیل کے ہاں بت پرستی کے رجحان کو بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ سورہ الاعراف آیت 138 ۔

وجوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علی
اصنام لهم قالوا یموسی اجعل لنا الها کما لهم الهة قال انکم
قوم تجهلون O

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ ان لوگوں کا ایک
قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی عبادت میں مبتلا تھے۔ بنی
اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود
ایسا ہی مقرر کر دیجیے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ
واقعی تم لوگوں کے رویے میں جہل ہی جہل ہے۔

سورہ ہود آیت 27،26،25 اور 29 ۔

و لقد ارسلنا نوحا الی قومه انی لکم نذیر مبین o ان لا
تعبدوا الا الله انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم o فقال الملا
الذین کفروا من قومه ما نرلک الا بشرا مثلنا و مانرلک
اتبعک الا الذین هم اراذلنا بادی الرای و ما نری لکم علینا من
فضل بل نظنکم کذبین o ______ و لکنی ارلکم قوماً
تجہلون o

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا۔ میں تمھارے لیے
صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا،
میں تمھیں ڈراتا ہوں کہ دردناک عذاب ہے۔ اس کی قوم کے کافر
سرداروں نے کہا ہم تو تمھیں اپنے جیسا آدمی پاتے ہیں، ہم دیکھتے
ہیں کہ تمھارا اتباع انہی لوگوں نے کیا ہے جو ہمارے رذیل ہیں۔
ہم تم میں کوئی چیز زیادہ نہیں پاتے بلکہ ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں
______ (حضرت نوح نے کہا) میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ
جہل کے سوا تم کچھ نہیں کرتے۔

اگلی آیت میں بھی آسمانی دین کے خلاف جاہلین کی مزاحمت کی شدت اور ہٹ دھرمی پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔

۹۔ سورہ الاحقاف آیت 21-22 -23 ۔

واذکر اخاعاد اذ انذر قومه بالاحقاف و قد خلت النذر من
بین یدیه ومن خلفه الاتعبدوا الا الله انی اخاف علیکم
عذاب یوم عظیم o قالوا اجئتنا لتا فکنا عن الهتنا فاتنا بما
تعدنا ان کنت من الصدقین o قال انما العلم عندالله و ابلغکم

ما ارسلت به و لکنی ارلکم قوما تجهلون ٥

اور آپ عاد کے بھائی (ہود) کا ذکر کیجیے، جب کہ انھوں نے اپنی قوم کو ریت کے مستطیل خمدار تودوں کے قریب ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ان سے پہلے اور بعد میں بہت سے ڈرانے والے گزر چکے۔ مجھ کو تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو۔ اگر تم سچے ہو تو جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کر دو۔ حضرت ہود نے کہا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں۔ لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔

ہم پہلے جاہلیت کی حمیت کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ وہ سرکش مزاج ہے جو قبائلی طرز زندگی کی بنیادوں کو درپیش ہر خطرے کے خلاف مزاحمت کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہ وہ شدید گھمنڈ ہے جو بقول آربری (۱۱) ماضی میں صحرائے عرب میں لاتعداد خونی جھگڑوں کا سبب بن چکا تھا اور اب صحرا اور شہروں دونوں میں بسنے والے مشرک عربوں کو آنحضرت اور ان کے صحابہ کے خلاف سنگ دلانہ ایذا رسانی پر ابھار رہا تھا۔ لفظ جہل میں مضمر معانی کا یہ پہلو آٹھویں اور نویں مثال سے بہت کھل کر سامنے آگیا ہے۔

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہل کی معنوی شکل میں مرکزی خیال وہ خون خوار اور جذباتی مزاج ہے جو ذرا سی بات پر مشتعل ہو سکتا ہے اور انسان کو ہر قسم کے ناعاقبت اندیش کام پر مجبور کر سکتا ہے۔ یہ جذبہ ایک مخصوص انداز سے عزت و وقار کے پرغرور احساس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو مشرکین عرب خصوصاً

صحرائی بدووں کا خاصہ تھا۔ آخری بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآنی آیات میں یہ لفظ خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توحیدی عقائد کے خلاف دشمنی اور جارحیت کے مخصوص رویے کے لیے استعمال ہوا ہے، کیونکہ آپ کے اکثر معاصرین کے ذہن کے مطابق یہ عقائد اخلاقی طرز پر بہت زیادہ سخت گیر تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ان کی برسوں پرانی رسموں اور عزیز ترین بتوں سے ترک تعلق کا مطالبہ کرتے تھے۔

مندرجہ بالا صفحات میں ہم نے جہل کے مادے سے مشتق الفاظ کا معنویاتی تجزیہ قدرے تفصیل سے پیش کیا۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ اس سے اولاً تو یہ مقصود تھا کہ دین اسلام کے ظہور سے تھوڑی دیر پہلے عرب کی روحانی کیفیت کے بعض اہم خصائص کو عمومی انداز سے بیان کر دیا جائے تاکہ ہم آئندہ صفحات میں اخلاقیات کے بارے میں آنحضرت کے طرز عمل میں موجود جن بنیادی اصولوں کے بارے میں بحث کرنے جا رہے ہیں، اس کا کچھ ابتدائی سا اندازہ ہو سکے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ ہم حقائق کا تجزیہ کرنے کے لیے آئندہ جو طریق تحقیق اپنائیں گے اس کی عمومی خصوصیات کی مثال پیش کی جاسکے۔ اس مقالے کے نقطہ نظر سے یہ دوسرا مقصد زیادہ اہم ہے کیونکہ زیر نظر مقالے کا موضوع دراصل تحقیق کا طریق کار ہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم یہ واضح کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ معنویاتی تجزیے کا طریقہ جو ہم نے اپنایا ہے وہ سیاقی تعبیر سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس تجزیاتی طریقے کے لیے جو مثالیں جمع کی جاتی ہیں وہ سب مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں، سیاق کے موضوع سے متعلق ہونے کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، چنانچہ ان میں ہر ایک کا تجزیہ اور استعمال اس کی خصوصی نوعیت کے لحاظ سے کرنا ضروری ہے، لہذا یہ مقالہ ختم کرنے سے پہلے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ خواہ مختصراً ہی کیوں نہ ہو سیاقی تعبیر کے طریقے کے عملی اصول درج کر دیے جائیں۔

سیاقی تعبیر

ایک بہت ہی قیمتی کتاب، "لا تراد کسیون دو لا تن" (لاطینی سے ترجمہ) میں، جس کا مقصد ان لوگوں کو عملی ہدایات مہیا کرنا ہے جو کلاسیکی لاطینی کے اچھے مترجم بننا چاہتے ہیں، جے ماروزو (۱۲) اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی مبہم لفظ کے معانی کے بارے میں وضاحت کے حصول کا بہترین طریق کار یہ ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کے مترادف، متضاد اور متشابہ کے ساتھ اس کا تقابلی مطالعہ، مقارنہ اور موازنہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ وہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ "ہر اس لفظ کے لیے جو سمجھ میں نہ آرہا ہو، ہم اس پورے پیرے سے مدد حاصل کریں گے جہاں وہ لفظ استعمال ہوا ہے۔" عملی ہدایت کے اس اصول میں جو پہلی نظر میں غیر ضروری اور عام سا دکھائی دیتا ہے درحقیقت سیاقی تعبیر کے طریق کار کے تمام اہم نکات کا خلاصہ بہت مہارت سے پیش کر دیا گیا ہے۔ آئندہ ہم جب مزید مثالوں سے اس اصول کی وضاحت پیش کریں گے تو اس کی افادیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ "ان تمام الفاظ کو جو باہم مشابہ یا متضاد یا متطابق ہوں جمع کرنا، موازنہ کرنا اور باہم مربوط کرنا۔" قرآنی آیات کے تجزیے کی اس کاوش میں اس سے بہتر کون سا اصول اختیار کیا جاسکتا ہے۔

آگے چل کر معلوم ہو گا کہ جب اس اصول کے خاص زاویے سے دیکھا جائے تو کسی عبارت میں ایک اخلاقی اصطلاح کے کثرت سے استعمال کی معنویاتی نقطہ نظر سے بذات خود کوئی عملی اہمیت نہیں۔ معنویاتی لحاظ سے وہی عبارت اہم ہے جس کے سیاق میں مطلوبہ لفظ کی معنویاتی شکل کے ایک یا مختلف پہلوؤں کو پوری طرح واضح کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر سورہ فاطر (۳۵) کی آیت نمبر ۳۹ میں کفر کے مادے سے مشتق مختلف الفاظ یکے بعد دیگرے چھ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ چونکہ کفر کے مادے کی بنیادی

معنوی ساخت کی وضاحت ہو چکی ہے اس لیے آسانی کے لیے اس کا ترجمہ "بے دینی" کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ آیت مندرجہ ذیل ہے۔

فمن کفر فعلیه کفره ولا یزید الکفرین کفر هم عندربهم الا مقتا ولا یز الکافرین کفرهم الاخسارا ٥

جو بھی بے دینی کرتا ہے اس کی بے دینی کا وہ خود ذمے دار ہے۔ اللہ کے نزدیک بے دینوں کے لیے ان کی بے دینی سے اللہ کی ناراضگی کے سوا کسی چیز میں اضافے نہیں ہوتا۔ بے دینوں کو بے دینی سے ان کے گھاٹے میں اضافے کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں مادہ کفر سے مشتق تین الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ کفر کے اصل معنی کے بارے میں قابل ذکر معلومات نہیں دیتا۔ یہ صحیح ہے کہ اس آیت سے یہ علم ضرور ہوتا ہے کہ اللہ کے غضب اور سزا کا سبب انسان کا کفر کا عمل ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اس مثال کے بغیر بھی یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ جہاں تک معنویاتی تجزیے کا تعلق ہے، یہ بنیادی اہمیت کی حامل نہیں۔ آئیندہ جب ہم قرآن کریم کی اخلاقی اصطلاحات کا تجزیہ شروع کریں گے تو ہم اس قسم کی تمام مثالوں کا قصداً ذکر نہیں کریں گے۔ اس لحاظ سے ہماری تحقیق و تفتیش تمام آیات کا کلی تجزیہ نہیں کریں گی۔

سرسری انداز سے کہا جاسکتا ہے کہ معنویاتی تجزیے کے طریق کار کے لیے سات قسم کے نظائر زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کو ہم ایک ایک کر کے بیان کریں گے۔

۱۔ سیاقی تعریف

معنویاتی اہمیت کے لحاظ سے سب سے بہتر نظیر وہ عبارت ہے جہاں کسی سیاق میں الفاظ کے ذریعے بہت واضح طور پر کسی لفظ کے معنی صحیح صحیح بیان کر دیے جائیں، اسے ہم "سیاقی تعریف" کہہ سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت اس نظیر کی عمدہ مثال ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت 172 میں "بر" کے معنی بیان ہوئے ہیں۔ اردو میں عام طور پر اس کا ترجمہ "نیکی" کیا جاتا ہے۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملئکۃ والکتب والنبین وآتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب و اقام الصلوۃ وآتی الزکوۃ والموفون بعھدھم اذا عھدوا والصبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون O

نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیر لو بلکہ نیکی اس کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور قرضوں میں پھنسے ہوئے لوگوں پر مال خرچ کرے، نماز قائم کرے، زکوۃ دے، عہد کرے تو اس کی پابندی کرے، تنگی، بیماری اور جنگ میں صبر اور مستقل مزاجی کا ثبوت دے۔ یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہ لوگ

ہیں جو متقی ہیں۔

"چہرہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرنا" کی عبارت سے اسلامی عقائد کے مطابق نماز کی شرط کی طرف اشارہ مقصود ہے۔اس آیت میں انتہائی تاکید کے ساتھ یہ کہا گیاہے کہ بر (سرسری طور پر ہم بھی اس کا ترجمہ نیکی کر لیتے ہیں) اپنے اصل معنی میں مذہبی ظواہر کے قواعد کی پابندی کا نام نہیں بلکہ حقیقی نیکی اس سماجی بھلائی کو کہتے ہیں جو اللہ کے ایک ہونے پر پختہ یقین سے فطری طور پر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ہم آگے چل کر بر کے معنی پر دوبارہ بحث کریں گے۔یہاں صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ ہمارے تجزیاتی طریقے کے نقطہ نظر سے اس قسم کی مثال بہت اہم ہے۔

۲۔ مترادف

معنویاتی تجزیے کے لیے ہم معنی اور مترادف عبارت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔جب ایک ہی پیرے میں یا اس سے بالکل ملتے جلتے سیاق میں ایک لفظ (الف) کے بدل کے طور پر ایک دوسرا لفظ (ب) استعمال ہو تو انھیں مترادف عبارات کہیں گے خواہ ب کے معانی کا دائرہ الف سے زیادہ وسیع یا زیادہ تنگ ہو۔ایک ہی قسم کے سیاق میں کسی لفظ کا ہم معنی یا اس کے مترادفات میں سے ایک کا بدل کے طور پر استعمال دونوں الفاظ یا ان میں سے کسی ایک کے معنوی تجزیے کے لیے بے حد مفید ہوتا ہے مثلا سورہ الاعراف کی آیات 94-95 ملاحظہ ہوں۔

وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساؤ الضراء
لعلھم یضرعون ٥ ثم بدلنا مکان السیئۃ الحسنۃ حتی عفوا
و قالوا قدمس آباءنا الضراء والسراء

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے رہنے والوں

کو تنگی اور بیماری میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ لوگ ڈھیلے پڑ جائیں، پھر ہم نے بدی کو نیکی سے بدل دیا، حتی کہ ان کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے آباو اجداد کو بھی تنگی اور خوشی پیش آئی تھی۔

آیات 94اور 95 کے تقابلی مطالعے سے ایک ہی نظر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ آیت 94 میں جہاں باساء اور الضراء آیا، آیت 95 میں معانی میں کوئی تبدیلی کیے بغیر سیئہ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل بدیہی معلوم ہوتی ہے کہ لفظ سیئہ جس کے قریبی معنی برائی اور بدی کے ہیں، بعض حالات میں "مشکلات"، "آفات"، "مصائب" اور "تنگی" کے معنوں میں بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ مزید ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آیت 95 میں سیئہ کے متضاد کے طور پر حسنہ آیا ہے جس کے معنی عام طور پر "اچھائی" اور "نیکی" کے آتے ہیں، جو خود اسی عبارت میں سراء کے بدل کے طور پر آیا، جس کے قریب قریب معنی "خوشی"، "مسرت" کے ہیں۔ گویا مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں اچھائی اور برائی کے معنوی دائروں میں مترادف کے دو سلسلے ہیں جو باہم مربوط ہیں، جن کو آسانی کے لیے ہم عارضی طور پر اردو زبان میں مندرجہ ذیل طریقے سے ظاہر کر سکتے ہیں۔

اچھائی = مسرت، خوشی

برائی - مشکل، آفت، مصیبت، تنگی

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ سورہ یوسف کی آیت 28-29 میں عزیز مصر اپنی اہلیہ سے، جو جواں سال یوسف کو سیدھے راستے سے بھٹکانے میں ناکام رہی ہے اور ان پر ایک مکروہ فعل کا جھوٹا الزام لگانے کی کوشش کر رہی ہے، کہتا ہے۔

انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم ٥ یوسف اعرض عن ھذا

واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین ٥

یہ تم عورتوں کی چالا کی ہے ۔ بے شک تمھاری چالا کیاں غضب کی
ہیں یوسف تم اس بات کو جانے دو،اور اے عورت تو اپنے گناہ کی
معافی مانگ ، بے شک سراسر تو ہی قصوروار ہے ۔

لفظ "ذنب" جس کے معنی ہم نے یہاں عارضی طور پر "گناہ" کے کیے ہیں، اسی مفہوم کا ایک لفظ اگلے ہی جملے میں ایک مختلف عبارتی ترکیب "تم قصوروار ہو" میں استعمال ہوا ہے جس کا زیادہ لفظی ترجمہ یہ ہوسکتا ہے کہ "تم خطا کاروں میں سے ایک ہو" یعنی تم ان میں سے ایک ہو جن سے قصور (خطیئہ) سرزد ہوا ہے ۔خطیئہ کا اردو ترجمہ خطا یا قصور ہے ۔ چنانچہ جہاں تک اس آیت یا اس سے ملتے جلتے سیاق کا تعلق ہے ہم مساوات کی مندرجہ ذیل شکل ثابت کرنے میں حق بجانب ہیں۔

ذنب = خطیئہ

موجودہ سیاق میں کیا یہ دونوں لفظ مکمل طور پر ہم معنی ہیں؟ ہم ابھی اس سوال کا فیصلہ کن جواب نہیں دے سکتے ۔ ابھی یہ کہنا کافی ہے کہ مشہور مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ معانی اور تصورات کی درجہ بندی میں ذنب، خطیئہ سے بہت اوپر ہے ۔ ذنب اور خطیئہ میں امتیازی عنصر نیت اور ارادہ ہے ۔ چنانچہ ان کے نزدیک خطیئہ ذنب کی ایک مخصوص ذیلی قسم ہے، جو ارادۃً اور جان بوجھ کر کیا جائے ۔

۳ ۔ تضاد

وہ نظائر جہاں کسی لفظ کی معنویاتی تشکیل تضاد کے ذریعے کی جاتی ہے مثلاً اخلاقیات کے باب میں خیر کا قریب ترین اردو لفظ "نیکی" ہے ، لیکن عربی زبان میں بہت سارے دوسرے الفاظ بھی ہیں جو نیکی کے عمومی مفہوم میں خیر کے شریک نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک حسنہ کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ خیر اور حسنہ میں فرق یہ بات جاننے

سے بھی خاصی حد تک ظاہر ہو جاتا ہے کہ خیر عام طور پر شر کی ضد میں اور حسنہ سیئۂ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ:

خیر = شر

حسنہ = سیئۂ

اگر ہم کسی بھی طریقے سے ان چاروں الفاظ میں سے کسی ایک کے صحیح معنی یقینی طور پر معلوم کر سکیں تو باقی تین الفاظ کے معنی خود بخود واضح ہو جائیں گے۔

بعض اوقات ایک ہی لفظ کے مقابلے میں دو مختلف الفاظ متضاد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً "کافر" جس کے بنیادی معنی متعین کرنے کے بارے میں ہم اوپر بات کر چکے ہیں، عام طور پر "مومن" کا متضاد سمجھا جاتا ہے، لیکن ایک اور لفظ "فاسق" بھی ہے جو اتنی ہی کثرت سے "مومن" کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ

فاسق

مومن

کافر

یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس شکل سے ہمیں اشارہ مل جاتا ہے کہ فاسق کس شخص کو کہتے ہیں۔ یہ اشارہ مبہم سہی لیکن اس لفظ کے معنی پہلے سے معلوم نہ بھی ہوں جب بھی اس کے مفہوم کا کسی حد تک پتہ چل جاتا ہے۔ کیونکہ ایک جانب تو لفظ "فاسق" لفظ "مومن" کے مقابل ہے، دوسری جانب یہ اسی کالم میں ہے جس میں لفظ کافر ہے، اس لحاظ سے "فاسق" یقیناً انسان کی کسی ایسی صفت کی نشان دہی کرتا ہے جو دینی لحاظ سے قابل مذمت ہے اور غالباً یہ شخص کسی ایسی خصوصیت کا حامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا رجحان خاص طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ یہاں ہم اس ذکر پر اکتفا کریں گے کہ بیضاوی کی

رائے میں فاسق معنوی طور پر کافر سے مماثل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فاسق کافر کی ایسی قسم ہے جو زیادہ ضدی اور سرکش ہے۔ (المتمرد فی الکفر)۔

۴۔ سلبی مفہوم

مندرجہ بالا تیسری قسم کی ایک ضمنی صنف وہ نظائر ہیں جن میں ایک مبہم لفظ کی معنوی ساخت اس کی سلبی شکل "غیر " سے واضح کی جاتی ہے، اسے ہم چوتھی قسم کہیں گے ، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کے معنی سلبی طور پر بیان کرنے کا یہ طریقہ اکثر ناکام رہتا ہے ۔بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سے کے بارے میں ہماری معلومات میں بظاہر کوئی اضافہ نہیں ہوتا، کیونکہ منطقی طور پر "غیر " کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے جو نہ ہو۔ بہرحال خوش قسمتی سے یہ اعتراض ان نظائر پر وارد نہیں ہوتا جہاں لفظ کے حوالوں کا دائرہ بہت محدود ہو یعنی جہاں اس لفظ کے امکانی حوالوں کی تعداد بہت زیادہ نہ ہو، اگر موضوع بحث ایسا پھول ہے جو یا سرخ ہوگا یا نیلا تو صرف یہ بات کہنا کہ زیر حوالہ پھول سرخ نہیں ہے، سننے والے کے لیے یقینی طور پر مثبت معلومات فراہم کر دیتا ہے۔ کسی بھی زبان میں اخلاقیات کے ذخیرہ الفاظ پر تقریباً ہمیشہ یہی بات صادق آتی ہے۔ موضوع زیر بحث کے نقطہ نظر سے اخلاقی جانچ کے حوالوں کے محدود دائرے میں یہ معلومات کہ کوئی چیز "غیر " ہے۔ " " کی معنوی تشکیل کے تعین کا بہت ہی موثر ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔ "یہ اچھی بات نہیں ہے" کے جملے کے حوالے سے کس قسم کے عمل ذہن میں آتے ہیں، ایک ماہر معنویات کے لیے یہ جاننا اتنا ہی اہم ہے جتنا یہ علم کہ کس قسم کے اعمال کو "اچھا" کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں منفی اقدار کے لیے جو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، ان میں "استکبر" کا شمار اہم ترین میں ہوتا ہے۔ سرسری طور پر اس کا ترجمہ "فخر و غرور کی بنیاد پر

بڑا بننا"، "غرور اور حقارت سے پیش آنا" کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ کافر (بے دین) کی خاص صفت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل مثال میں یہ فعل منفی شکل میں آتا ہے اور ایک طرح سے یہ بیان کرتا ہے کہ "غرور" سے پیش آنے والوں کے رویے کے پس منظر میں کیا ہے۔

انما یومن بآیتنا الذین اذا ذکروا بها خروا سجدا و سبحوا
بحمد ربهم وهم لا یستکبرون (15-32)

بس ہماری آیتوں پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ غرور سے پیش نہیں آتے۔

جو لوگ غرور سے پیش نہیں آتے ہیں، وہ کون سا طرز عمل اختیار کرتے ہیں؟ جب وہ آیات الٰہی کے روبرو ہوں تو ان کا کیا رویہ ہوتا ہے؟ ان سوالات کا مثبت اور ٹھوس جواب "غرور" کی اس خاص قسم کے بارے میں بہت سی باتیں بتلاتا ہے جو لفظ "استکبر" کے معانی میں شامل ہیں۔

۵۔ معنویاتی ترکیب

کسی زبان کے بعض الفاظ میں معنوی روابط کی ایک مخصوص ترکیب ہوتی ہے۔ اردو زبان میں اس کی بہت سادہ سی مثال "پانی" اور "بہنا" کے الفاظ کے مابین مخصوص معنویاتی رابطہ ہے۔ الفاظ کے ایسے معنویاتی مرکبات ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے کہ کوئی لفظ دوسرے الفاظ سے بالکل الگ تھلگ ہو اور اس کا وجود مستقل بالذات ہو۔ اس کے برعکس الفاظ میں ہمیشہ یہ رجحان ہوتا ہے کہ وہ جس سیاق میں

استعمال ہوتے ہیں وہاں دوسرے الفاظ سے جڑ جاتے ہیں۔ گویا ہر لفظ کے اپنے ساتھی ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی بھی زبان کا سارا ذخیرہ الفاظ ایسے معنویاتی مجموعوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کا باہمی تانا بانا بہت باریک اور پیچیدہ ہے۔ ماہر معنویات کا سب سے اہم کام اس تانے بانے کو علیحدہ کرنا ہے۔ چنانچہ ایک ماہر معنویات کی نظر میں وہ عبارت زیادہ اہم ہے جو کسی بھی پہلو سے "اس معنویاتی ترکیب" کی حدود متعین کرنے میں مفید ہو۔ قرآن کریم میں افتری (گھڑنا) کے فعل کے ساتھ اکثر کذب (جھوٹ) اسم مفعول کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس طرح کذب اور افتری گویا ایسی ترکیب ہے جو جدا نہیں ہوسکتے۔ اس ترکیب کے ساتھ "ظالم" کا لفظ بھی مل جاتا ہے جس کے معانی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، چنانچہ من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا (اس سے زیادہ برا ..... بے انصاف اور ظالم ..... کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا)۔ قرآن کریم کا خاص لگا بندھا جملہ ہے۔ چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تین الفاظ افتری، کذب، ظالم قرآن کریم میں ایک خاص مجموعہ یا ایسی "معنویاتی ترکیب" ہیں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔

<u>۶۔ ابدال</u>

اکثر ایک یا زیادہ الفاظ میں معنویاتی ربط کے وجود کا اظہار ابدال کی بلاغی صنعت سے بھی ہوتا ہے۔ ماہرین جانتے ہیں کہ تورات کی عبرانی زبان اور کلاسیکی چینی زبان میں شعری اسلوب میں ابدال کی صنعت بہت سے الفاظ کے معانی کے لیے کلید کا کام کرتی ہے، اس کے بغیر ان الفاظ کے معانی مبہم رہتے ہیں۔ قرآن کے بارے میں بالکل یہی بات تو نہیں کہی جاسکتی، تاہم بہت سی قرآنی آیات میں ابدال کے ذریعے بعض معنویاتی تراکیب کے خاص پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً سورہ العنکبوت میں مندرجہ ذیل دو آیات

قریب قریب آتی ہیں۔

وما یجحد بآیتنا الاالکفرون (47)

وما یجد بآیتنا الا الظالمون (49)

اور ہماری آیتوں سے بجز کافروں کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔

اور ہماری آیتوں سے بجز ظالموں کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔

ابدال کی ترکیب بذات خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کافر اور ظالم معنویاتی طور پر ایک دوسرے کے مساوی ہیں، کم از کم اس حد تک کہ دونوں آیات الہیہ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔ اگر ہم ابدال کی ایک اور مثال کو سامنے رکھیں جو سورہ المائدہ میں ملتی ہے تو کافر اور ظالم کے اس مجموعے میں ایک اور رکن فاسق کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الکفرون (44)

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الظالمون (45)

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الفاسقون (47)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

اس مثال میں اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کے حوالے سے تین الفاظ کافر، ظالم اور فاسق جن سے قاری اب پوری طرح مانوس ہوگئے ہوں گے، معنویاتی طور پر ایک دوسرے کے مساوی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ واضح ہو گیا کہ یہ تینوں الفاظ "بے دینی" کے وسیع معنویاتی دائرے کے ایک مخصوص مرحلے کی حد بندی کرتے ہیں۔ ہم اس دائرے کی اساسی خصوصیات پر بعد میں بھی بحث کریں

گے۔

۷۔ غیر اصطلاحی استعمال

قرآن کریم میں تمام کلیدی اخلاقیاتی اصطلاحات گہرے دینی مفاہیم کے سیاق میں استعمال ہوئی ہیں۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات قرآن کریم میں بھی بعض اخلاقیاتی اصطلاحات غیر مذہبی سیاق میں استعمال ہوئی ہیں، اور ان الفاظ کے معانی کے خالص غیر مذہبی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔

ایسے نظائر ان الفاظ کی معنویاتی ساخت کے مطالعے کی پیش رفت میں قدرتی طور پر ماہر معنویات کے لیے انتہائی بیش قیمت ہیں۔ موضوع زیر بحث کے تعلق سے لفظ جاہل کے تجزیے کے دوران ہم پہلے بھی ایک مثال پیش کر چکے ہیں (سورہ یوسف، آیت 33)۔ معنویات کے لحاظ سے سورہ یوسف، خاص طور پر بہت اہم ہے، کیونکہ اس میں الفاظ کے غیر مذہبی استعمال کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ سورہ الشعرا سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں قابل غور لفظ ایک مرتبہ پھر کافر ہے۔

قال الم نربک فینا ولیدا و لبثت فینا من عمرک سنین o
وفعلت فعلتک التی فعلت وانت من الکفرین o
(الشعرا - 18-19)

فرعون کہنے لگا کہ کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور
تم اپنی زندگی میں برسوں ہم میں رہا سہا کیے اور تم نے اپنی وہ
حرکت بھی کی تھی جو کی تھی، تم بڑے ناشکرے ہو۔

یہ بات فرعون حضرت موسی سے کہہ رہا ہے جو یقیناً اس کے معانی کے غیر مذہبی سیاق ہونے کا ثبوت ہے۔ اور یہ بات اس وقت کہی جا رہی ہے جب حضرت موسی نے فرعون کی مصری رعایا کے ایک فرد کو قتل کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کفر کے لغوی مادے کی معنویاتی شکل پوری کی پوری "ناشکری" پر مبنی ہے اور اس آیت

سے زیادہ اس بنیادی عنصر کی وضاحت کہیں نہیں مل سکتی۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ یہ مضمون پروفیسر توشی ہیکو ازتسو کی کتاب "دی ایتھیکل ٹرمز ان دی قرآن" مطبوعہ ٹوکیو (The Structure of The Ethical Terms in The Koran) ۱۹۶۹ء کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔

۲۔ رچرڈ رابنسن "تعریفات (Definition) باب دوم۔ صفحہ ۲

۳۔ زیر بحث نکتے کی وضاحت کے لیے دیکھیے مندرجہ ذیل شکل

معنویاتی عمل = لفظ (لسانی علامت) معنی

(ذہنی لسانی عمل) چیز (خارجی غیر لسانی شئے)

ترجمہ = لفظ (زبان ا) براہ راست چیز

لفظ (زبان ب)۔

غلط طریق = لفظ (زبان ا) معنی (زبان ا)

چیز لفظ (زبان ب)

۴۔ آر۔ اے نکلسن، اے لٹریری ہسٹری آف عربز، کیمبرج یونیورسٹی پریس، صفحہ ۹

۵۔ گولڈزیہر (Goldziher) مسلم سٹڈیز، جلد اول ۱۸۸۸ء (اصل ایڈیشن)

۶۔ ابن اسحاق۔ سیرۃ النبی ج ا، صفحہ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔

۷۔ ایضاً۔ ج ۲ صفحہ ۸۲۴۔ ۸۲۵

۸۔ زبیدی، تاج العروس، جلد ا

۹۔ البستانی۔ محیط المحیط، جلد ا صفحہ ۴۴۳۔ ۴۴۴

۱۰۔ ابن اسحاق، سیرۃ النبی ج ۲، صفحہ ۶۰۳

۱۱۔ آربری، سبع المعلقات (The Seven Odes) صفحہ ۲۶۳

۱۲۔ جے ماروزو (Marouzeau) لاترادکسیوں دی لاین (La Traduction Du Latin) صفحہ ۲۸۔